شامتِ اعمال

ہمارے بھی جب تک ہاتھ پاؤں میں سکت اور دماغ میں ترنگ رہی ہم نے بھی دنیا بھر کی کمیٹیوں کی ممبری اس شان سے کی جیسے پولیس والے تھانے داری کرتے ہیں۔ اِس کمیٹی اور اُس کمیٹی سے اِس کمیٹی گھر بیٹھے الاونس سفر خرچ، آنریریم اور دوسری بے شماروں مدوں کی رقمیں ملا کرتیں۔ میونسپلٹی کی ممبری تو ہمارے یہاں ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے یہ ہمارے لیے کوئی اضافہ نہ تھا۔ مگر اس ممبری کے فیض سے ہم الاٹمنٹ کمیٹی، گھوڑ دوڑ کمیٹی اور مالیاتی کمیٹی میں بھی ہر بار لے لیے جاتے۔ ان کمیٹیوں کی وجہ سے بہت سی مسجدوں، یتیم خانوں اور شاعروں کی کمیٹیوں نے ہمیں ان کمیٹیوں کے جمع خرچ کا مختارِ کل بنا دیا اس کے باوجود کیا مجال، جو ہماری سفید پوشی پر حرف آیا ہو۔

مگر صاحب برا ہو اس گردشِ روزگار کا اور چرخِ کج رفتار کا کہ عین اس وقت جب ہم ساٹھ نوت کے پبلک لائف سے ریٹائر ہونے کے لیے پر تول رہے تھے اور شیخ صدیقی سے سید الاصل میں تبدیل ہونے کے ساتھ ساتھ کئی عدد حج بیت اللہ کرکے الحاج بھی ہو چکے تھے اور ہمارا غریب خانہ بھی کئی عدد فلک بوس دولت خانوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اسی میں بیٹھ کر اب اللہ اللہ کرنے کا ارادہ تھا کہ شامت جو ہماری آئی اور سر میں جو ہمارے سمائی تو دوڑ دھوپ اور جوڑ توڑ کرکے ہم کتابوں کی انعامی کمیٹی کے ممبر بن گئے۔

دراصل یہ حادثہ ہماری حیاتِ جاوید کا ایک المناک پہلو ہے تو ہوا یہ کہ انجمن مصنفین کو ان کی کتابوں پر انعام دیتی تھی۔ اس پر نہ جانے کیسے ہمارے علم و ادب کا سکہ جم گیا۔ اور انجمن "تقسیم و تحسین باہمی" نے ہمیں اپنی ممبری کا فارم بھیج دیا جس کی خانہ پُری کرتے وقت ہم کو اپنے نکاح نامہ سے لے کر اپنے نامہ تک یاد آگئے۔

اس فارم میں ممبری کی شرطیں بھی عجیب و غریب تھیں۔ مثلاً ممبروں کو ایک ایسا صدر تلاش کرنا ہوگا۔ جو اس زبان سے نابلد اور منکر ہو۔ جس میں آپ کو انعام دینا ہے۔ اس کے علاوہ کاہلی، دربار داری، احکام رسی، جوڑ توڑ، تعصب، مصلحت کوشی، احباب نوازی اور کینہ پروری کے پچھلے تجربات کی تصدیق اور تائید ضروری تھی۔ اس کے ساتھ ایک حلف نامہ بھی منسلک تھا۔ جس کو ہم نے فوراً بھر دیا اور اس کی تصدیق کرا کے انجمن کو بھیج دیا۔ انجمن نے بخوشی نہ صرف ہمیں اپنا ممبر تسلیم کر لیا۔ بلکہ ایک گدھے کی لادی کتابیں بھی بھیج دیں۔ جن میں سے

ہم کو انعام کے لیے کتابیں منتخب کرنا تھیں۔ جہاں پر یہ کتابیں رکھی ہوئی تھیں وہاں سے گزرتے وقت ہم احتیاطاً آنکھیں بند کر کے لاحول پڑھتے ہوئے گزر جاتے۔ کہ جب زیادہ پڑھنے سے آدمی شیطان ہو جاتا ہے۔ تو خود جو چیز پڑھی جائے وہ کتنی بڑی شیطان ہوگی۔

پہلا کام تو ہم نے اس سلسلہ میں یہ کیا کہ اپنے ملنے جلنے والوں پر رعب جمانے کے لیے ان میں بڑی دریا دلی کے ساتھ نہ صرف کتابیں تقسیم کر دیں بلکہ ان پر بغیر پڑھے اس قدر جم کر گفتگو کی گویا ہم بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ اردو میں تنقید کر رہے ہیں۔

جب "انجمن تقسیم و تحسین باہمی" کا جلسہ بالکل سر پر ہی آگیا۔ تو ہم ایک ممبر کے یہاں اس سلسلہ میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے پہونچے دیکھا تو ممبر صاحب بہادر نے انعامی کتابیں ڈرائنگ روم میں سجا رکھی تھیں اور ان کے سامنے دماغی ورزش فرما رہے تھے۔ یعنی حقہ گرم گرما نے کے ساتھ ساتھ شطرنج سے شوق فرما رہے تھے۔ کچھ کتابیں اس وجہ سے وہاں نہ تھیں کہ وہ یا تو نئی نسل کے نوجوانوں کی لکھی ہوئی تھیں یا پھر ان کے کمرے کے فرنیچر، پردوں اور دیواروں کے رنگوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔ یہ بات فاضل ممبر کی نفاست طبع پر گراں گزرنے کے سبب ان نوجوانوں کی کتابوں کو ضائع کر دیا گیا تھا۔

میں نے موصوف سے پوچھا۔ "بھائی کچھ سوچا بھی کہ کس کو انعام دیا جائے۔ اور کس کو نہیں۔" موصوف بولے "ابھی میرے سکریٹری نے رپورٹ نہیں تیار کی ہے۔ ضروری کتابوں کی سفارشیں آچکی ہیں ہمارا اصول ہے کہ جتنی بڑی

سفارش ہو اتنا بڑا انعام دینا چاہیئے۔ آپ کو ایک دن پہلے فون پر مطلع کر دوں گا۔ آج کل تو صاحب دفتری مصروفیات اتنی ہیں کہ سر اٹھانے تک کا موقع نہیں ملتا ہے۔ یہ کہہ کر صاحب بہادر نے پھر اپنی چال کے آگے سر جھکا دیا۔ اور شہ و مات شروع ہو گئی!۔

یہاں سے مطمئن ہو کر دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا۔ مگر انھوں نے اس سلسلہ میں (کہ وہ بھی اس کمیٹی کے ممبر ہیں) اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔ مگر جب میں نے ان کو سرکاری کاغذات کا تراشا دکھایا کہ "آپ کا نام تو فہرست میں ہے"۔ تو انھوں نے ڈائری دیکھ کر کہا۔ "الحمد للہ ممبر تو میں بھی ہوں۔" میں نے کہا۔ "پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔ کس کو انعام دیا جائے اور کس کا انعام روکا جائے۔ کتابیں نکلوائیے ان کی ایک فہرست بنا کر اس پر کچھ غور کر لیا جائے۔"

انھوں نے ملازم سے کہا۔

"جاؤ انعامی کتابوں والا بنڈل لے آؤ!"

ملازم ایک سربمہر بنڈل لے آیا، اسے دیکھ کر پیر و مرشد نے تبسم فرمایا اور بولے۔

"یہ تو دس سال پرانا بنڈل ہے۔ اس پر ہم انعام دے چکے ہیں۔ اگر نظر نہ پڑتی تو پھر اسی پر انعامات دینے پڑتے۔"

میں نے عرض کیا۔

"آپ اس پر انعامات دے چکے ہیں۔؟"

"مگر اس کی تو سرکاری مہر بھی ابھی نہیں ٹوٹی ہے اور نہ یہ آنے کے بعد سے اب تک کھولا گیا ہے؟"

انھوں نے فرمایا:

"میاں اللہ اللہ کرو، مہر ٹوٹی یا نہیں۔ مگر کسی کا دل تو نہیں ٹوٹا۔"

ملازم نے کہا۔ "مگر نیا بنڈل تو آپ اپنی دیہات کی لائبریری بھجوا چکے ہیں۔"

وہ بولے۔ "خیر خیر! کتابوں کے ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں۔ مسئلہ کتابوں پر انعام دینے کا ہے۔ آپ کے سپرد میں یہ کام کرتا ہوں۔ آپ ایک دن پہلے فہرست لیتے آئیے گا۔ اس پر غور کر کے فیصلہ کر لیا جائے گا۔"

میں وہاں سے رخصت ہو کر تیسرے ممبر صاحب کے گھر پہنچا۔ وہ اس وقت ترنگ میں تھے۔ اور ٹھمک ٹھمک کر ٹھمری گا رہے تھے۔ سامنے گلابی اور گزک رکھی ہوئی تھی۔ بولے۔ "آپ نے سارا نشہ ہرن کر دیا۔ میں تو صرف اپنے وطن اور اپنے شہر والوں کو انعام دلواؤں گا اور جس کو آپ لوگ مناسب سمجھیں۔ خیر چھوڑیے یہ سب آپ بھی کس چکر میں پھنسے ہیں۔ لیجئے ایک ٹھمری سنیئے۔ ابھی ابھی کہی ہے!"

وہاں سے ٹھمری سن کر اٹھے۔ تو خیال ہوا کہ "انجمن تعمیم و تحسین باہمی" کے صدر صاحب سے بھی نیاز حاصل کیا جانا چاہیئے۔ موصوف اس وقت تیل مالش کروا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بولے۔

"کبھی وہ زبان وغیرہ تو میں مانتا نہیں۔ مگر امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلہ میں اگر انعام کا کوئی مستحق نکلے تو مجھے اعتراض بھی نہیں ہے۔ آپ لوگ فیصلہ

کرلیں بعد میں میں اپنی رائے بھی دے دوں گا۔ میرا کام صدارت کرنا ہے میں کر دوں گا۔"

میں ان کی تعریف و توصیف کر کے وہاں سے رخصت ہوا۔

اس کے بعد چاروں ممبروں سے ملاقات کی روشنی میں میں نے ایک جامع فہرست تیار کر لی۔ جس میں مصنف کا نام۔

عہدہ۔

مصنف سے حاصل ہونے والے فوائد۔

انعام دینے کے پہلو۔

انعام میں پوشیدہ ذاتی مفاد وغیرہ۔ وغیرہ۔

میں یہ فہرست لے کر پہلے سے طے شدہ جگہ وقت مقررہ پر پہنچ گیا۔ دیکھا تو پوری کمیٹی جمی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی فہرست ممبروں کے سامنے پیش کر دی۔ صدر صاحب بولے۔

"ٹھیک ہے۔ مگر اس میں کسی گمنام یا نوجوان کا نام تو نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔ "نہیں! قطعی نہیں۔"

صدر صاحب کے اشارے پر بقیہ ممبروں نے بھی فوراً ایسے غیر اہم نام اپنی فہرست سے خارج کر دیے جو بہت زیادہ بڑے آدمی یا بہت زیادہ مشہور ادیب نہ تھے۔ ان ناموں کے نکالے جانے کے بعد فہرست خاصی مختصر ہو گئی اور کام بہت ہلکا ہو گیا اس کے بعد بقیہ نام اس لحاظ سے ترتیب دیئے گئے کہ جو جتنا بڑا آدمی یا جتنی بڑی سفارش لایا تھا۔ اتنی ہی اسے اولیت دی گئی۔ اس

کے بعد بحث شروع ہوئی۔ جس میں یہ الجھن پڑ گئی کہ شاعر صاحب کا کہنا تھا کہ یہ
یہ انعام میرے ضلع والوں کو ملنا چاہیئے۔ اور صدر صاحب کا اصرار تھا کہ نہیں
پہلے میرے ضلع والوں کو ملنے چاہیں۔ پروفیسر بدھو اور محمد فاضل میں سے کس کو
انعام دیا جائے۔ اس پر اتنی بات بڑھ گئی کہ کمیٹی باقاعدہ دو حصوں میں بٹ گئی۔
آخر میں صدر صاحب نے تصفیہ کرایا کہ محمد فاضل صاحب سے ہمارے آپ کے
ہزاروں کام نکلتے ہیں۔ پروفیسر بدھو میں کون سے سرخاب کے پر ہیں۔ غرض
کثرت رائے سے محمد فاضل صاحب کو انعام مل گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک
ہونہار نوجوان کا نام پیش کیا۔ جس کی تصنیف ہر لحاظ سے انعام کی مستحق تھی۔
فوراً چاروں طرف سے انکوائریز آنا شروع ہو گئیں۔ مگر جب سب کو معلوم ہوا
کہ صرف کتاب ہی اچھی ہے آدمی یونہی ہے کام دام آنے کے نہیں تو
سب نے اس نام کو نامنظور کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے ایک اور نوجوان کا نام
پیش کر دیا۔ لوگوں نے اس کو بھی مسترد کرنا چاہا۔ مگر ہم اکڑ گئے کہ آخر "اقربا
پروری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔" لوگوں نے کہا "گنجائش نہیں۔" ہم نے
کہا نہیں صاحب گنجائش نکالیے میرے بھتیجے کا معاملہ ہے کسی نے ایک نہ
سنی۔ اور مجبوراً غصہ سے بے قابو ہو کر ہم کو جلسہ سے واک آؤٹ کرنا پڑا۔ یہ
دوسری بات ہے کہ ہمارے واک آؤٹ کی دھونس میں آ کر ممبروں نے ہمارے
بھتیجے کو انعام تو دے ہی دیا۔ مگر افسوس کہ ہمیں اس کا علم اس وقت ہوا
جب ہم کمیٹی کی ممبری سے مستعفی ہو چکے تھے۔

شامت کا لفظ میں نے اس وجہ سے استعمال کیا ہے کہ اس سے قبل

بھی ہم نے بے شمار کمیٹیاں چھوڑی اور کرائی تھیں۔ مگر اس کمیٹی کے چھوڑتے ہی سب ممبروں نے مستحقین کو انعام نہ ملنے کا ذمہ دار ہم کو ٹھہرا دیا۔ اور خود صاف نکل گئے، جس کے نتیجے میں ایک تو ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ پھر رسوائی اور ذلت ہوئی، جس کا بیان یہاں مناسب نہیں مگر ہزاروں دشمن جو پیدا ہو گئے۔ اور جن کی وجہ سے ہمیں اب جو کچھ بھگتنا پڑتا ہے اسے دیکھ دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے کہ ہماری بھی شامت آئی تھی جو انعامی کمیٹی کے ممبر بن بیٹھے۔